نام کتاب: مولانا حمید الدین فراہیؒ کے بنیادی افکار
مصنف : الطاف احمد اعظمی
ناشر : البلاغ پبلیکیشنز، N-I، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی - ۱۱۰۰۲۵
سن اشاعت: ۲۰۱۰ء
صفحات : ۲۲۰
قیمت : ۱۵۰ روپیے

تبصرہ نگار : عبدالعظیم اصلاحی

زیر تبصرہ کتاب پروفیسر الطاف احمد اعظمی کے پانچ مقالات اور ایک دیباچہ پر مشتمل ہے۔ مقالات درج ذیل ہیں:

۱- نظریۂ نظم قرآن اور مولانا فراہی
۲- نظم قرآن کے شواہد (افادات فراہی)
۳- حدیث کے بارے میں مولانا فراہی کا نقطۂ نظر
۴- فی ملکوت اللہ: مولانا فراہی کی ایک اہم تصنیف
۵- تفہیم انجیل اور مولانا فراہی

مصنف نے اپنے دیباچہ میں ان مضامین کا مختصر اور جامع تعارف کرادیا ہے۔ یہ سارے مضامین مولانا فراہی کی فکر و نظر سے براہ راست بحث کرتے ہیں۔ سوائے مضمون دوم ''نظم قرآن کے شواہد'' کے جو کہ مصنف کی کتاب ''تفسیر قرآن کے اصول و مسائل'' سے ماخوذ ہے جس میں مولانا فراہی کی کسی تحریر کا کوئی حوالہ نہیں ہے لیکن چونکہ یہ مضمون مولانا فراہی کے نظریۂ نظم ہی کی تشریح و توضیح اور اس کے سمجھنے میں مدد و معاون ہے اور انھیں کے افادات پر مشتمل ہے، اس لیے بلاشبہ اس کی شمولیت مولانا فراہی کے بنیادی افکار کے تحت بہت مناسب و مفید ہے۔ گویا یہ مضمون پہلے مضمون مولانا فراہی کے نظریہ نظم قرآن کو مزید مدلل و مستحکم کرتا ہے، اس طرح اسی کا ایک حصہ ہے۔ دونوں مضامین میں

نظریہ نظم کے قائلین ومنکرین کا اچھا جائزہ لیا گیا ہے۔ اور آخر میں مولانا فراہی کے نظریۂ نظم کی وضاحت اور خفائے نظم کے وجوہ پر گفتگو ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ''قرآن میں نظم وترتیب کے قائل تنہا مولانا فراہی نہیں تھے بلکہ ان سے پہلے علماء کی ایک جماعت اس کی قائل رہی ہے ...مولانا فراہی کا اصل کارنامہ جس نے ان کو قائلین نظم کا سرخیل بنایا وہ ان کا نظریہ نظام ہے یعنی قرآن کی ہر سورہ ایک محکم نظام رکھتی ہے اور ایک عمود کے تحت سورہ کی تمام آیتیں باہم منسلک ہیں'' (ص۳۲-۳۳)۔ نظم قرآن کے اثبات میں کہیں کہیں مصنف کا انداز بیان کچھ جارحانہ ہوگیا ہے، مثلاً نظم قرآن کا انکار وہی شخص کرسکتا ہے جو ''بصیرت سے محروم یا تقلید جامد کی بیماری میں مبتلا ہو'' (ص۸) یا ''خود قرآن کے اندر اس کے شواہد اس کثرت سے موجود ہیں کہ کوئی کورچشم ہی اس سے بے خبر ہوسکتا ہے'' (ص۲۴)۔ حالانکہ نظم قرآن کے نظریہ سے اتفاق نہ رکھنے والوں میں شاہ ولی اللہ دہلوی جیسی عظیم شخصیت بھی شامل ہے۔ البتہ ایک دوسری جگہ علمی انداز میں خفاء نظم کا سبب بیان کرنے کی کوشش کی ہے مصنف کے نزدیک اس کی دو وجہیں ہیں- قرآن کا ایجاز بیان (ص۶۲) اور سورتوں کی خاص ترکیب وترتیب۔ (ص۶۶)

قرآن اور حدیث کے باہمی ربط کے سلسلہ میں ماضی میں بھی افراط وتفریط پائی جاتی رہی ہے اور دور حاضر میں بھی غلو کی مثالیں موجود ہیں۔ مولانا فراہی علماء محققین کی طرح حدیث کے معاملہ میں محتاط اور معتدل رویہ رکھتے تھے لیکن لوگوں کو ان کے موقف کو سمجھنے میں بڑی غلطی ہوئی ہے۔ کچھ نے انھیں منکر حدیث قرار دے دیا ہے تو کچھ کا خیال یہ ہے کہ وہ نہ صرف حدیث کے قائل تھے بلکہ اس کو شرح قرآن کا درجہ دیتے تھے۔ مصنف نے اس مجموعہ کو تیسرے مضمون میں حدیث سے متعلق مولانا فراہی کے صحیح نقطۂ نظر کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس سلسلہ میں انھوں نے سب سے پہلے حدیث وسنت میں فرق کو واضح کیا ہے نیز اقسام حدیث پر روشنی ڈالی ہے اور حدیث متواتر اور خبر واحد کی دینی حیثیت متعین کرنے کی سعی کی ہے اور پھر مولانا فراہی کا نقطۂ نظر واضح کیا ہے۔ مولانا حدیث اور سنت کے درمیان فرق کرتے تھے۔ ان کی رائے میں ''سنن کے ضبط واشاعت

کا تعلق صرف قولی روایات سے نہیں ہے بلکہ وہ بکثرت اہل ایمان کے اعمال کے قالب میں ڈھل کر محفوظ ترین صورت میں امت تک پہنچی ہیں'' (ص۸۷)۔ وہ اپنی عملی زندگی میں سخت متبعِ سنت تھے، مولانا کے نزدیک قرآن کی حیثیت اصل اور مرکز کی ہے باقی دوسرے علوم فروعی حیثیت رکھتے ہیں جن میں احادیث بھی شامل ہیں (ص۱۲۴)۔ چنانچہ حدیث اور قرآن میں تعارض کی صورت میں اگر ان میں تطبیق نہ دی جا سکے تو اس وقت قرآن کو ترجیح دی جائے گی اس لیے کہ وہ قطعی اور ثابت ہے۔ اسی طرح مولانا فراہی اس خیال کے بھی سخت مخالف تھے کہ کوئی حدیث ناسخ قرآن ہو سکتی ہے۔ اکثر ائمہ کبار و محدثین عظام کا یہی موقف رہا ہے۔ بعض فقہاء و متکلمین جو حدیث کو قرآن کا ناسخ مانتے ہیں، مولانا کے نزدیک ان کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

اس مجموعے کا چوتھا مضمون ''فی ملکوت اللہ: مولانا فراہی کی ایک اہم تصنیف'' ہے۔ درحقیقت یہ ایک ناتمام رسالہ ہے جو اس موضوع پر بیشتر مولانا کے ملاحظات پر مشتمل ہے۔ خالص اس موضوع پر مولانا فراہی سے پہلے شاید ہی کسی نے کوئی نمونہ چھوڑا ہو۔ موضوع کی انفرادیت اور مولانا فراہی کے ایجاز نے اس رسالہ کو سمجھنا کافی مشکل کر دیا ہے۔ مقالہ نگار نے اس کی تفہیم و تشریح کر کے فکر فراہی کی بڑی خدمت انجام دی ہے اور اس سے اس قیمتی رسالہ کو سمجھنے میں بڑی مدد مل سکتی ہے۔ مگر ایک ایسے رسالہ کی شرح جو مجمل و غامض اور اکثر مقامات پر بیاض ہو اس بات کی متقاضی ہوتی ہے کہ مجمل و ناتمام مقامات کی شرح حتی الامکان مصنف کی دیگر تحریروں کے حوالے سے ہو۔ ورنہ شک باقی رہے گا کہ کیا مصنف واقعی یہی لکھنا چاہتے تھے۔ مثلاً مولانا فراہی نے خلیفہ کے انتخاب کی جگہ خالی چھوڑ دی ہے، مقالہ نگار نے اس کی تشریح میں الماوردی اور کچھ اپنے خیالات بیان کیے ہیں۔ ان کو پڑھنے کے بعد بھی ذہن میں یہ سوال باقی رہتا ہے کہ کیا مولانا فراہی کی مراد یہی تھی؟

مقالہ نگار مولانا فراہی سے کہیں کم ہی اختلاف کرتے نظر آتے ہیں مگر ان کے نزدیک ''جمہوریت کے بارے میں مولانا فراہی کا خیال محل نظر ہے''۔ مقالہ نگار کے

نزدیک ''جمہوری نظام اپنی بعض خرابیوں کے باوجود دوسرے سیاسی نظامات پر برتری رکھتا ہے اور اگر سماج خواندہ ہو تو اس سے بہتر کوئی دوسرا نظام نہیں ہے، رہا خلافت کا معاملہ تو وہ خلافت راشدہ کے بعد پھر کبھی دنیا میں قائم نہیں ہوسکی ......'' (ص ۱۷۹)۔ جمہوریت کی وکالت اور خلافت کے عدم امکان کے بعد خلافت سے متعلق مولانا فراہی کی ساری بحث نظری اور عملی اعتبار سے بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ مولانا فراہی نے اس رسالہ میں جمہوریت پر کوئی اظہار خیال نہیں کیا ہے ہوسکتا ہے کہ آگے اس پر کچھ لکھتے۔ اس لیے مصنف کا یہ کہنا کہ ''جمہوری نظام کو مولانا نے فوضیٰ کے مشابہ بتایا ہے...'' صحیح نہیں ہے۔ دراصل مولانا فراہی نے اشتراکیت کے ساتھ فوضیٰ (انارکی) کی مذمت کی ہے۔ فوضی یا انارکی اس سیاسی و اجتماعی صورت حال کو کہتے ہیں جس میں فرد ہر طرح کے سیاسی نظام سے آزاد ہوتا ہے۔ اصل میں انیسویں صدی میں اشتراکیت کی جن بہت سی قسموں کی تبلیغ ہوئی ان میں بعض نے انارکی کو مسائل کا حل قرار دیا اور اس کو باقاعدہ نظام حیات کے طور پر پیش کرنا شروع کردیا۔ ان کے نزدیک حکومت ہی ساری خرابیوں کی جڑ تھی۔ مغرب کے ان ''دانشوروں'' میں پیٹر جوزف پرودون (متوفی ۱۸۶۵ء) اور میخائیل باکونین (متوفی ۱۸۷۶ء) قابل ذکر ہیں۔ ''فی ملکوت اللہ'' کے صفحہ ۴۶ پر مولانا نے اپنے عہد کے اس نظریہ پر تنقید کی ہے۔ شاید جمہوریت پر اظہار خیال کے مرحلہ تک وہ اپنی اس کتاب میں پہنچے نہیں۔

اس مجموعہ کے آخری مضمون ''تفہیم انجیل اور مولانا فراہی'' میں مولانا کے ایک ناتمام رسالہ ''الاکلیل فی شرح الانجیل'' کو بنیاد بنا کر انجیل کی اصل زبان، اس کی تاریخی و دینی حیثیت، اس میں تحریف کی نوعیت اور غیر محرف مضامین کے وجود سے متعلق مولانا فراہی کے موقف کی وضاحت کی گئی ہے۔ انجیل سے متعلق یہ مضمون نہایت اہم معلومات پر مشتمل ہے۔ مولانا فراہی کے رسالہ کے بارے میں صاحب مضمون کا خیال ہے ''یہ ناتمام رسالہ اس بات کی ایک قوی شہادت ہے کہ وہ اہل انجیل کے سچے بہی خواہ تھے اور ان کی نظر میں موجودہ انجیل بعض تحریفات کے باوجود قابل احترام ہے (ص ۲۰۵)۔ مولانا فراہی کا

ناتمام رسالہ نو صفحات پر مشتمل تھا مگر اس مضمون میں اس رسالہ کا صرف ایک حوالہ درج ہے بقیہ دوسرے مآخذ سے کام لیا گیا ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ اس مضمون میں مولانا کے رسالہ کے مندرجات کا تعارف کرا دیا گیا ہوتا۔

کتاب کی طباعت نہایت عمدہ اور اس کی جلد اور ڈسٹ کور نہایت پرکشش ہے، البتہ کچھ پروف ریڈنگ کی غلطیاں رہ گئی ہیں 'تا اسے نظر نہ لگے'۔ مثلاً علا آلوسی [علامہ آلوسی] ص۱۵، حافظوا علی الصلواۃ [علی الصلوات] ص۲۱، ۳۹۔ علی الاطلاق [علی الاطلاق] ص۲۷۔ امام غزالی کی کتاب المستشفی [المستصفی] ص۴۷، ۱۲۶۔ ابن القیم الجوزیۃ [ابن قیم الجوزیۃ] ص۴۷۔ ابن ابودرداء [ابودرداء] ص۸۰۔ ابن قیم [ابن القیم] ص۹۰، شاھدوہ [شاھدوہ] ص۹۸۔ ترجمہ...تو اللہ ایسے لوگوں کی توبہ قبول کرتا ہے [تو میں ایسے لوگوں کی توبہ قبول کرتا ہوں] ص۱۱۰-۱۱۱۔ صفحہ ۱۴۱ پر آیت ان اللہ لا یغیر مابقوم ....کے ترجمہ میں قوسین کا اضافہ (اچھی) حالت کو (بری حالت میں)...... نہ ہوتا تو اچھا تھا۔ وہ تو (بری) حالت کو بھی (اچھی حالت میں) تب تک نہیں بدلتا جب تک کہ کوئی قوم اپنی حالت نہ سدھارے۔ بلکہ اس آیت کے سیاق وسباق سے دوسرے دو قوسین زیادہ مناسب معلوم ہوتے ہیں۔ اس لیے ترجمہ مطلق ''حالت'' زیادہ صحیح ہے۔ نیز خلق الموۃ (الموت) ص۱۴۰) وغیرہ۔ امید ہے کہ دوسرے ایڈیشن میں ان فروگزاشتوں کو بھی درست کر لیا جائے گا۔

یہ تبصرہ نگار صاحب کتاب کے اس احساس سے پوری طرح متفق ہے کہ مولانا فراہی کے بنیادی افکار پر ابھی بہت کام کی ضرورت ہے۔ زیر تبصرہ کتاب ''فراہیات'' کے موضوع پر نہایت مفید اضافہ ہے۔ امید ہے کہ یہ دوسروں کے لیے بھی مطالعہ فراہی پر متوجہ کرنے کا ذریعہ ثابت ہوگی۔ وما التوفیق الا باللہ۔